© rasailojaraid.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اشارات

پاکستان کا سیاسی بحران اور حل کی راہ

خورشید احمد

پاکستانی سیاست کا ایک المیہ یہ بھی ہے کہ گو حالات تیزی سے بدل رہے ہیں اور نت نئے ادارے ابھر رہے ہیں لیکن مسائل وہیں کے وہیں ہیں بلکہ اور بھی پیچیدہ اور گمبھیر ہوتے جا رہے ہیں۔

۵ نومبر ۹۶ کو صدر مملکت نے دستور کی دفعہ ۵۸۔۲۔ب کی تلوار کو آٹھ سال میں چوتھی بار استعمال کرتے ہوئے بے نظیر صاحبہ کی بدنام اور ناکام حکومت کو برطرف کیا اور اس مظلوم اور دکھی قوم کو احتساب اور نئے انتخاب کی نوید سنائی۔ پیپلز پارٹی کی حکومت کی برطرفی کا ملک اور ملک کے باہر بڑے پیمانے پر خیر مقدم کیا گیا اور اس کے روایتی پشتی بان بھی کھسیانی بلی کھمبا نوچے کی مشق بھی پوری طرح نہ کر سکے! قوم نے بحیثیت مجموعی اطمینان کا سانس لیا اور یہ توقع قائم کی کہ چونکہ صدر مملکت نے قوم کے احتساب کے مطالبے کی ملک گیر مہم پر لبیک کہتے ہوئے یہ قدم اٹھایا ہے اور برطرفی کی وجوہ میں بھی احتساب کی ضرورت ہی کو سب سے نمایاں مقام دیا ہے اس لیے اس اقدام کے فوراً بعد موثر احتساب اور بے لاگ انصاف کا اہتمام کیا جائے گا اور انتخاب سے قبل سیاسی میدان کو گندگی سے اس حد تک صاف کر دیا جائے گا کہ دس سال میں پانچویں انتخاب کے نتیجے میں ایک ایسی صاف ستھری قیادت ابھر سکے جو دستور کی دفعہ ۶۲ اور ۶۳ پر پوری اترتی ہو‘ جس کے ہاتھوں میں ملک کا سیاسی اور نظریاتی مستقبل محفوظ ہو اور جو اس کے ملی وسائل اور قومی دولت کی سچی امین ثابت ہو اور خدانخواستہ ایسا نہ ہو کہ ایک بار پھر محض ایک نیا انتخابی تماشا منعقد ہو جائے‘ لیکن خطرہ ہے کہ ملک حقیقی تبدیلی سے حسب سابق محروم رہے اور لوٹنے والوں کا وہی ٹولہ جو برسوں سے اقتدار پر قابض ہے ایک بار پھر پارلیمنٹ اور صوبائی اسمبلیوں میں محض اپنی دولت اور دھونس‘ دھاندلی اور دھوکے کی سیاست کے سہارے براجمان ہو جائے۔ ایسی صورت میں نہ صرف یہ کہ برطرفی کا عمل غیر موثر ہو جائے گا بلکہ عوام کا اعتماد خود انتخابی عمل اور بیلٹ پیپر کے ذریعے تبدیلی کے نظام ہی پر سے اٹھ جائے گا۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

انتخابات جمہوریت کا جزولاینفک اور پرامن تبدیلی کا اہم ترین ذریعہ ہیں لیکن اگر انتخابات کے نظام کو اس درجہ بگاڑ دیا جائے کہ وہ عوام کی امنگوں اور خواہشات کا عکاس نہ ہو سکیں اور لوگ اپنی آنکھوں سے دیکھیں کہ ان کی ہر تمنا اور ہر کوشش کے علی الرغم محض دولت' دھونس' دھاندلی اور دھوکے کی قوت پر ایک مخصوص گروہ چولے بدل بدل کر مسند اقتدار تک پہنچ جاتا ہے تو پھر ان کا اعتماد خود انتخاب کے ادارے پر سے اٹھ جاتا ہے جیسا کہ مختلف نو آبادیاتی' اشتراکی اور آمرانہ نظاموں میں ہوتا رہا ہے۔

پاکستان کی سیاست کا اصل المیہ ہی یہ ہے کہ یہاں آزادی کے بعد سے اب تک خواہ سول حکومت ہو یا فوجی' مسلم لیگ ہو یا پیپلزپارٹی' عوامی لیگ ہو یا کنونشن لیگ' چند خاندان اور ایک معلوم گروہ ملک کے سیاہ و سپید کا مالک بنا رہا ہے۔ اس گروہ کا ایک فرد اگر برسر اقتدار جماعت میں ہوتا ہے تو دوسرا حزب اختلاف میں' ایک فوج میں ہوتا ہے تو دوسرا پولیس میں اور تیسرا انتظامیہ میں۔ یہی کھیل ہے جو اس ملک کے عوام کے ساتھ پوری ڈھٹائی کے ساتھ کھیلا جا رہا ہے اور مفاد پرستوں کا کھلا اور ڈھکا گٹھ جوڑ صحت مند تبدیلی کے ہر راستے کو مسدود کیے ہوئے ہے۔ اگر کہیں سے روشنی کی کوئی کرن نمودار ہوتی ہے تو تاریکیوں کے محافظ ہر طرف سے حملہ آور ہو جاتے ہیں اور نتیجتاً "برطرف کرنے والوں" اور "برطرف کیے جانے والوں" اور "برطرف ہونے والوں کی جگہ لینے والوں" میں کوئی نمایاں فرق باقی نہیں رہتا۔ پروفیسر کیتھ کیلارڈ جو کینیڈا کی میک گل یونیورسٹی کے علم سیاسیات کے پروفیسر تھے اور جنھوں نے پاکستان کی سیاست کا وقت نظر سے مطالعہ کیا ہے اپنی کتاب Pakistan: A Political Study by Keith Callard "پاکستان: ایک سیاسی مطالعہ" میں لکھتے ہیں:

"پاکستانی سیاست میں اقتدار کی تبدیلی کے ساتھ وفاداریاں بھی تبدیل ہو جاتی ہیں اور اس طرح وہی سیاست دان اقتدار سے پینگیں بڑھاتے رہتے ہیں۔ جس کی نگاہ سیاست کے اس جوار بھاٹے پر نہیں وہ حیران رہ جاتا ہے کہ کس سہولت کے ساتھ ایک لیڈر کے وہ پیروکار جن کی ناقابل تسخیر تائید پر اسے ناز تھا' چشم زدن میں پینترا بدل لیتے ہیں اور اپنے سابقہ لیڈر کے مدمقابل کو متفقہ طور پر خوش آمدید کہنے کے لیے تیار ہو جاتے ہیں۔ ایک سیاست دان کو ان افراد کا بھی خیال رکھنا پڑتا ہے جو مقامی طور پر ووٹروں پر اپنی گرفت رکھتے ہیں۔ اس میں کوئی شک و شبہ نہیں کہ جاگیردار اور زمیندار' پیر' میر' مخدوم' خان اور نواب صاحبان آج بھی بڑا سیاسی اثر و رسوخ رکھتے ہیں۔ قانون ساز اسمبلیوں کے ارکان پر اگر نگاہ ڈالی جائے تو صاف نظر آتا ہے کہ چند ہی خاندان ہیں جو موروثی طور پر سیاسی زندگی پر چھائے ہوئے ہیں"۔ (ص ۴۹-۵۰)

ایک جائزے کے مطابق زیادہ سے زیادہ دو سو خاندان ہیں جو سیاست پر چھائے ہوئے ہیں اور ان سے متعلق چار سے پانچ ہزار افراد ہیں جنھوں نے سیاست اور معیشت کو اپنی جاگیر بنا لیا ہے۔ ان میں سے ایک

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

خاصی تعداد ان خاندانوں کی ہے جنھوں نے انگریزی استعمار سے ساز باز کر کے اپنے ہم وطنوں سے غداری کی تھی اور اس کے عوض بڑی بڑی جاگیریں حاصل کی تھیں اور آج یہی جاگیردار سیاست کے وڈیرے بنے ہوئے ہیں۔ ان میں اضافہ ان سرمایہ دار خاندانوں کا ہو گیا ہے جو آزادی کے بعد اور خصوصیت سے جنرل ایوب کے آمرانہ دور میں معاشی مراعات حاصل کر کے بڑے بنے۔ ان عناصر نے سول اور ملٹری انتظامیہ کی ملی بھگت کے ساتھ ملک کی سیاسی اور معاشی زندگی پر تسلط حاصل کر لیا ہے اور انھی کو بیرونی طاقتوں کی سرپرستی حاصل ہے۔ اس مخصوص ٹولے نے اپنے لیے ہر طرح کا سامان عیش فراہم کیا ہے نتیجتاً "بنا ہے عیش تجمل حسین خاں کے لیے" اور قوم کے عام افراد کی قسمت میں محرومیاں ہی رہ گئی ہیں۔

۵ نومبر ۹۶ کی تبدیلی بھی دیکھتے ہی دیکھتے اسی تاریک عمل کا شکار ہو رہی ہے اور اگر یہ کھیل اسی طرح جاری رہتا ہے تو ۳ فروری کے الیکشن کے نتیجے میں وہ صبح طلوع نہ ہو سکے گی جس کی خاطر پی پی پی کی حکومت کے خلاف ملک گیر تحریک چلائی گئی تھی اور جس کا اصل ہدف محض انتخاب نہیں، مجرموں کا حقیقی احتساب، معیشت کو لوٹنے والوں سے لوٹی ہوئی دولت کی واپسی اور ایک ایسی باکردار قیادت کو برسر اقتدار لانا تھا جو عوام میں سے ہو، جو عوام کی خادم ہو اور اسلام اور ملت اسلامیہ کی حقیقی نمایندہ ہو۔

عبوری حکومت انھی دعووں کے ساتھ میدان میں آئی لیکن چند ہی دن میں یہ بات سامنے آنے لگی کہ چند قابل قبول چہروں کے ساتھ بڑی تعداد میں پھر وہی عناصر ہماری حکومت پر چھا گئے جن کا ماضی داغ دار اور اسلام اور ملک و ملت سے جن کی وفاداریاں شک و شبہ سے بالا نہ تھیں۔ وہی اقربا پروری اور دوست نوازی پھر کچھ نئی کرشمہ سازیاں دکھانے لگی اور واشنگٹن اور نیویارک کے مداح اور ممدوح پھر صریر آرائے سیاست ہو گئے۔ ڈی ویلیوشن (Devaluation)، اندھی نج کاری، ٹیکسوں کی بھرمار، قیمتوں میں اضافے اور قرضوں کے سیلاب کا وہی نسخہ کچھ اور بھی تندہی سے آزمایا جانے لگا جس نے معیشت کو تباہ اور عام انسانوں کو زبوں حال کر دیا تھا۔ ہندستان سے تجارتی تعلقات مزید بڑھانے کی باتیں ہونے لگیں اور کشمیر کے جہاد آزادی کے تقاضوں سے اغماض بڑھنے لگا۔ سب سے بڑھ کر احتساب کے عمل کو بالکل فراموش کر دیا گیا اور سیاست کا تانا بانا کچھ اس طرح بنا جانے لگا کہ چھوٹی مچھلیوں کو نمایش کے لیے گرفت میں لیا جائے مگر سارے بڑے بڑے مگرمچھ اسی طرح میدان میں رہیں اور اپنے مفادات کے تحفظ کے لیے نئے دروبست بنانے میں مشغول ہو جائیں بلکہ ان کو کسی نہ کسی طرح قابل قبول بنا دیا جائے۔

عبوری حکومت نے پہلے دو ماہ محض لیت و لعل میں ضائع کر دیے اور اب یہ معذرتیں پیش کی جا رہی ہیں کہ وقت ناکافی ہے اور احتساب کی وجہ سے انتخاب میں تاخیر ہو جائے گی، حالانکہ نئے انتخاب کا تو اصل جواز ہی صرف یہ تھا کہ قوم کو لوٹنے والوں سے نجات دلائی جائے گی اور ایک صاف شفاف قیادت ابھر کر

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سامنے آسکے گی۔

عبوری حکومت نے ایک انتہائی ناقص قانون احتساب بنایا اور اس کا سارا نظام وہی پرانی عدالتی ڈگر پر بنایا جس کے ذریعے انصاف کا بروقت حصول ناممکن ہو گیا ہے۔ جن گنے چنے افراد کو گرفتار کیا۔ ان کے بارے میں بھی مکمل مواد عدالتوں کے سامنے نہ لایا گیا جس کے نتیجے میں عدالتیں چیختی رہیں اور بالاخر ایسے افراد کو بھی ضمانتوں پر رہا کر دیا گیا۔ انتخابی قوانین میں مطلوبہ تبدیلیاں نہ کی گئیں بلکہ جو قانون بنائے گئے ان میں بھی سیاسی دباؤ کے تحت ایسی تبدیلیاں کی گئیں کہ بنکوں کے نادہندگان بہ سہولت عدالتوں سے حکم امتناعی Stay Order لے کر حسب ماضی دندناتے پھریں اور دوبارہ اسمبلیوں پر قابض ہو سکیں۔ یہ ترمیم ایسے بھونڈے انداز سے کی گئی کہ خود عبوری حکومت کے وزیر قانون نے احتجاجا استعفیٰ دے دیا۔

الیکشن کی انتظامیہ کو نہ بروقت صحیح معلومات دی گئیں اور نہ یہ ہدایت کی گئی کہ دستور کی دفعہ ۶۲ اور ۶۳ کی میزان پر نمایندگیوں کو قبول یا رد کیا جائے۔ پورے ملک میں صرف تین چار مقامات پر اس اصول پر کچھ عمل پیرا ہونے کی کوشش ہوئی اور اسے بھی بالاخر غیر موثر بنا دیا گیا۔

اس کا نتیجہ ہے کہ الیکشن میں وہی پرانے مہرے میدان میں نظر آ رہے ہیں۔ بڑی پارٹیوں کی طرف سے بھی ۸۰ اور ۹۰ فی صد کے درمیان وہی افراد سامنے لائے گئے ہیں جو پہلے اسمبلیوں میں تھے اور جن کے کرتوتوں کی بنا پر چار بار اسمبلیاں توڑی جا چکی ہیں۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر احتساب اور انتخابی عمل کی اصلاح کے بغیر چار بار اسمبلیوں کے انتخاب، مسائل کو حل نہ کر سکے تو پانچویں انتخاب سے کیسے یہ معجزہ واقع ہو سکتا ہے؟

ہم تو یہ بات کہہ ہی رہے تھے لیکن اب عبوری حکومت نے "کونسل برائے دفاع اور قومی سلامتی" کے قیام سے نہ صرف یہ کہ فوج کے سیاسی عمل دخل کو باقاعدہ اداراتی شکل دے دی ہے بلکہ اس کا اصل جواز ہی یہ قرار دیا ہے کہ اس طرح پارلیمانی نظام میں صدر کا عمل دخل بڑھ جائے گا نیز جو اقدامات عبوری حکومت کر رہی ہے آیندہ کی (نام نہاد) منتخب حکومت ان کو جاری رکھنے کی پابند ہو گی۔ بلکہ خبر تو یہ ہے کہ یہ سب کچھ باقاعدہ درپردہ معاہدے کے ذریعے ہو رہا ہے۔

روزنامہ "نیشن"، مورخہ ۱۱ جنوری ۱۹۹۷ نے برطانیہ کے ایک معتبر ذریعے Oxford Analytica کے تازہ شمارے کی بنیاد پر یہ خبر دی ہے کہ:

"صدر اور فوج مسلم لیگ کے سربراہ نواز شریف صاحب سے ایک نہایت متنازع معاملہ طے کر چکے ہیں جس کے نتیجے میں نواز شریف صاحب آیندہ وزیراعظم ہوں گے لیکن اس شرط پر کہ عبوری حکومت نے جو معاشی در و بست قائم کیا ہے اور جو معاہدہ آئی ایم ایف سے مقرر کردہ اہداف کو پورا کرنے کے لیے کیا گیا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہے، وہ قائم رکھا جائے گا، باوجودیکہ ان معاشی اصلاحات کا اثر خود نواز شریف کی تجارتی کونسٹی ٹیونسی (Constituency) پر پڑتا ہو۔ نیز سیاسی کرپشن کے خلاف موثر کارروائی کی جائے گی۔ گو یہ بات واضح نہیں ہے کہ نواز شریف صاحب یہ کام کیسے کریں گے جبکہ خود ان کی پچھلی حکومت ایسے ہی بدعنوانی اور سفارشی نظام کی وجہ سے برطرف کی گئی تھی"۔ Oxford Analytica یہ خبر بھی لایا ہے کہ آیندہ کی حکومت میں وزیر خارجہ اور وزیر خزانہ کونسل کے نامزد کردہ ہوں گے"۔

اس پس منظر میں Oxford Analytica لکھتا ہے کہ تمام دوسرے سیاست دانوں کی مخالفت کے باوجود نواز شریف صاحب کا کونسل کی مخالفت نہ کرنا بڑا معنی خیز ہے۔

احتساب کی ناکامی نے صرف ملک ہی کے تمام سوچنے سمجھنے والے عناصر کو مایوس نہیں کیا بلکہ باہر کے حلقے بھی یہ کہنے پر مجبور ہو رہے ہیں کہ پھر اس سارے ڈرامے کیا حاصل؟ لندن کا روزنامہ "دی ٹائمز" کونسل کے قیام پر تبصرہ کرتے ہوئے اپنے ۸ جنوری کے اداریے میں جس کا عنوان بھی بڑا معنی خیز ہے یعنی پاکستان کے لیے کڑا وقت: انتخاب کا التوا ہی بہتر ہو سکتا ہے" Time for Pakistan: Delaying elections may be better Than it Appears میں لکھتا ہے:

"پاکستان کی فوج کو، جو ہمیشہ ہی اقتدار کے پیچھے اصل قوت رہی ہے، اب کھل کر سیاسی اسٹیج پر سرفراز ہونے کی دعوت دے دی گئی ہے اور یہ اقدام ایک ایسے بحرانی ماحول میں کیا گیا ہے جو پاکستان کے سیاسی آلود معیار پر بھی غیر معمولی واقعہ ہے۔ اب کونسل برائے دفاع اور قومی سلامتی میں دس میں سے چار شرکا کا تعلق فوج سے ہے۔ گو صدر فاروق لغاری کا یہ موقف ہے کہ اس ادارے کا کام صرف پختہ مشوروں (mature advice) تک محدود ہو گا لیکن پاکستان میں ایسے کم ہی لوگ ہیں جو اس بات پر یقین رکھتے ہوں.... ایک ایسے ادارے کے قیام نے پاکستان کے اس مشتبہ دعوے کو جو وہ پارلیمانی جمہوریت کے باب میں کرتا ہے، اور بھی مخدوش بنا دیا ہے۔

"جمہوریت میں علامات کی بھی بڑی اہمیت ہے۔ خواہ حقیقت یہ ہی کیوں نہ ہو کہ اس کونسل کا قیام اب طاقت کی اس تکون کو جو پہلے سے ایک امر واقعہ ہے (یعنی صدر، وزیراعظم اور فوج کا سربراہ) زیادہ نمایاں اور شفاف کر دیتا ہے۔ جب صدر لغاری نے بے نظیر بھٹو کی حکومت کو برطرف کیا تو وہ اپنے دستوری اختیارات کے دائرے میں کام کر رہا تھا لیکن ان کا تازہ اقدام خود صدر کے دستوری اختیار کے اعتبار سے بھی مشتبہ ہے اور یہ ملک کے سیاسی نظام کو مزید غیر مستحکم کرنے کا سبب بن سکتا ہے"۔

آگے چل کر احتساب کے بغیر انتخاب کے غیر موثر ہونے اور احتساب کی خاطر انتخاب کی تاریخ میں ایک متعین تاخیر کی بات اداریے میں اس طرح کی گئی ہے:

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

"انتخابات میں ایک متعین وقت کی تاخیر پاکستان میں جمہوریت کے مستقبل کے لیے کچھ ایسی مجروح کن نہیں جیسی بظاہر نظر آتی ہے۔ اقتدار کے دونوں بڑے دعویدار اس سے پہلے کرپشن اور بدعنوانی ہی کے الزامات کی بنا پر برطرف کیے گئے تھے۔ تین مہینے کا وقت ایسے سیاسی دلدل سے نکلنے کے لیے پہلے ہی بہت ناکافی تھا۔ پھر عبوری حکومت کو لازماً مزید وقت کی ضرورت ہے تاکہ وہ احتساب کے قوانین کو مزید سخت کر سکے اور بدعنوان سیاست دانوں کو موثر طریقے پر نااہل قرار دیا جاسکے۔ یہ قانون بہت روا روی میں تیار کیا گیا ہے اور اس کے نتیجے میں بہت سی بڑی بڑی مچھلیاں جال سے نکل گئی ہیں۔ خاص طور پر اس امر کی ضرورت ہے کہ ان تمام قواعد کو موثر شکل دی جائے جن کے ذریعے ان سیاست دانوں پر گرفت ہو سکے اور ان سے سیاست کو پاک کیا جاسکے جو ملک کے بنکاری نظام کو تباہ کرنے کے ذمے دار رہے ہیں اور جو ان بڑی بڑی رقوم کو ادا کرنے سے پہلوتہی کر رہے ہیں جو ان کے ذمے ہیں اور جو صرف سیاسی اثر و رسوخ کی وجہ سے وہ حاصل کر سکتے تھے"۔

وہ حضرات جو محض جمہوریت کی دہائی دے کر احتساب کے بغیر انتخاب کا ڈھونگ رچانے کی باتیں کر رہے ہیں ان کو "لندن ٹائمز" کے اس اداریے کے آئینے میں اپنی جمہوریت نوازی کا اصل چہرہ دیکھنا چاہیے۔ بلاشبہ انتخابات جمہوریت کا ایک اہم ستون ہیں لیکن یہ ستون اس وقت جمہوریت کا سہارا بن سکتا ہے جب قانون کی حکمرانی ہو، نہ کہ حکمرانوں کے قانون کی، جو بدترین آمریت اور کرپشن کا سرچشمہ ہے۔ جمہوریت نام ہے دستور اور اس کے اداروں کے احترام کا اور ایک عام انسان کے جان اور مال کے تحفظ کا۔ سب کے لیے آزادی اظہار و بیان کا، مخصوص مفادات کو لگام دینے کا اور انتخابی عمل کو صاف اور شفاف بنانے کا۔ جمہوریت نام ہے عوام کے حقوق اور کمزور اور قوی کی مساوات کا۔ یہی وجہ ہے کہ احتساب کے بغیر اور سیاسی جھیل کو گندی مچھلیوں سے پاک کیے بغیر انتخاب نہ صرف یہ کہ قوم کے ساتھ محض ایک مذاق ہوں گے بلکہ اس بات کا خطرہ ہے کہ اس طرح قوم کا اعتماد انتخابی عمل پر سے اٹھ جائے گا اور یہ جمہوریت کے مستقبل کے لیے بڑی فال بد ہو گی۔

یہی وجہ ہے کہ تحریک اسلامی نے جہاں سابقہ بدعنوان اور پاکستان کے مفادات سے بے وفا حکومت کے خلاف ملک گیر تحریک چلائی، وہیں احتساب کی ضرورت اور انتخاب سے پہلے اور انتخاب کے ساتھ موثر احتساب کا مطالبہ کیا۔ بدقسمتی سے عبوری حکومت اور سیاسی جماعتوں دونوں نے مخصوص مفادات کے تحفظ کی خاطر احتساب سے اغماض برتا اور سیاسی عمل اور بھی گدلا ہو گیا۔ ان حالات میں محب وطن قوتوں کے لیے اس کے سوا کوئی اور راستہ نہیں کہ عوام کو بیدار کریں اور احتساب کے لیے ایسی موثر رائے عامہ منظم کریں کہ جو بھی حکمران ہو اس کے لیے بدعنوانوں کی پشت پناہی ناممکن ہو جائے اور قوم کو لوٹنے والے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کیفر کردار کو پہنچ سکیں۔

یہ عجیب معاملہ ہے کہ انتخاب کی رٹ لگانے والے بھی احتساب کی ضرورت اور احتساب کے بغیر سیاست کے صاف شفاف نہ ہو پانے کا اعتراف کر رہے ہیں۔ سب یہ بات بھی مانتے ہیں کہ عبوری حکومت احتساب کی طرف کوئی موثر قدم نہ بڑھا سکی حتیٰ کہ صدر مملکت' وزیراعظم اور اب کونسل برائے دفاع و قومی سلامتی نے بھی اس کا اعتراف کیا ہے۔ اخبارات ۳ فروری کے انتخاب کے امیدواروں کے کارناموں سے بھرے پڑے ہیں۔ بنکوں کے نادہندگان کی فہرست ہو یا واپڈا کے' سرکاری رہایش گاہوں کے کرایوں کا معاملہ ہو یا گیس' بجلی اور ٹیلی فون کے بلوں کا' سرکاری خزانے کے بے محابا استعمال کی بات ہو یا سرکاری پوزیشن کے غلط استعمال کی۔۔۔ قیادت کے ان امیدواروں کے نامہ اعمال کی سیاہی اب کوئی راز نہیں۔ پھر سیاسی جماعتوں نے' خصوصیت سے دونوں بڑی جماعتوں نے' جو نمایندے کھڑے کیے ہیں وہ وہی لوگ ہیں جن کے داغدار دامن کا ذکر ہر بر طرفی کی چارج شیٹ میں ہے۔ جو منشور اور پروگرام ان جماعتوں نے پیش کیا ہے وہ بھی کسی نئی سوچ سے خالی ہے۔ خصوصیت سے اسلامی نظریہ حیات سے بے التفاتی اور ورلڈ بنک اور سودی معیشت کی پرستش اور قومی سوچ کی کمی وہ چیزیں ہیں جو ناقابل انکار ہیں۔ ان حالات میں اس طائفے سے خیر کی توقع عبث ہے۔

ہم ان گذارشات کی مزید تنقیح کے لیے موقر قومی اخبارات کے ادارتی صفحات سے چند اقتباس پیش کر رہے ہیں جن میں انھی حقائق کا اعتراف کیا گیا ہے گو ان کے منطقی نتائج سے گریز کیا گیا ہے۔ خصوصیت سے موقر روزنامہ نوائے وقت کا تبصرہ جو شاھد من اھلھا کا درجہ رکھتا ہے۔

سب سے پہلے خود صدر صاحب کے سلسلے میں "دی فرائی ڈے ٹائمز" کے تازہ ترین شمارے (جنوری ۹ تا ۱۵' ۱۹۹۷) سے ایک اقتباس ملاحظہ ہو۔ (واضح رہے کہ اس فرائی ڈے ٹائمز کے بانی مدیر نجم سیٹھی صاحب عبوری حکومت میں سیاسی مشیر ہیں' سابقہ حکومت کے خلاف تحریک میں یہ پرچہ پیش پیش تھا اور اب بھی ایوان صدر سے اس کا تعلق بڑا قریبی سمجھا جاتا ہے)۔

"جب صدر فاروق احمد لغاری نے گذشتہ نومبر میں بھٹو گورنمنٹ کو برطرف کیا اس وقت ان کی ثقاہت اور معتبریت (credibility) اپنے عروج پر تھی۔ آج ان کی ثقاہت پستی کی انتہا تک اتر چکی ہے۔ ایسا کیوں ہے؟

"ایک بنیادی وجہ یہ ہے کہ احتساب کے بارے میں صدر صاحب کے پروگرام پر عمل شروع ہی نہیں ہو سکا اور اس ناکامی کی وجہ سے ملک گیر سطح پر بے چینی' آزردگی اور کشیدہ خاطری عام ہے' کون چاہتا ہے کہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

وہی چور چوتھی بار بھی پارلیمنٹ پر براجمان ہو جائیں؟

"اب ایک اور نسخہ آزمایا جا رہا ہے یعنی کونسل برائے دفاع و قومی سلامتی--- تاکہ ایک ایسا ادارہ وجود میں آ جائے جہاں تمام اہم کھلاڑی اپنے اختلافات کو دور کر لیں' قبل اس کے کہ یہ اختلافات شدت اختیار کریں اور ایک دوسرے کے چہروں پر پھٹ پڑیں۔

"صدر صاحب کا مسئلہ یہ ہے کہ وہ حسب سابق حالت (status quo) کے اسیر ہیں۔ انھوں نے عوام کے اولین مطالبے یعنی احتساب کو ایک اور انتخاب کی بھینٹ چڑھا دیا ہے۔ ایسا انتخاب جو انھی چہروں کو' انھی خیالات اور رجحانات کے حامل افراد کو برسراقتدار لے آئے گا جن سے نجات حاصل کی گئی تھی۔ انھوں نے اس بدیہی حقیقت سے صرف نظر کر لیا ہے کہ انتخاب کے قواعد اور سیاسی ضوابط میں تبدیلی کے بغیر ناگزیر ہے کہ' ہر الیکشن کے نتیجے میں جیسا کہ ۱۹۸۸ کے بعد سے ہو رہا ہے' کچھ زیادہ ہی بدعنوان اور زیادہ ہی غیرذمے دار حکومتیں وجود میں آئیں۔ اب اصل ایجنڈا' بدعنوانی اور کرپشن سے نجات نہیں' حالانکہ خود صدر صاحب کے مالی مشیر کا ارشاد ہے کہ صرف ۱۹۹۳ کے بعد تین سال میں حکومت نے اس قوم سے پانچ سو ارب روپے لوٹے ہیں۔ اس کا حساب کون لے؟ اب ہدف بدعنوان عناصر کو سیاست کے میدان سے نکالنا نہیں بلکہ فروری ۱۹۹۷ کے بعد ویسے ہی بدعنوان عناصر سے شرکت اقتدار ہے۔ صدر صاحب اسے تسلیم کریں یا نہ کریں' احتساب کو پس پشت ڈال کر انھوں نے عوام کی نگاہ میں خود بے نظیر حکومت کی برطرفی کے جواز کو مشتبہ بنا دیا ہے"۔

روزنامہ "جنگ" راولپنڈی ۲۸ دسمبر ۹۶ کے ادارتی شذرے میں رقم طراز ہے:

"صدر مملکت نے بے نظیر حکومت کے خاتمے کی بنیادی وجہ کرپشن کو قرار دیا ہے اور اب تک قومی وسائل کی لوٹ مار کی عجیب و غریب داستانیں' اخبارات کے ذریعے اور نگران حکومت کے بعض وزرا کے توسط سے عوام تک پہنچی ہیں۔ صدر اور وزیراعظم متعدد موقعوں پر سابقہ حکمرانوں کی لوٹ مار کے واقعات دہراتے چلے آ رہے ہیں اور ملک کو جو سنگین اقتصادی بحران درپیش ہے' اس کی ذمہ داری بھی بڑی حد تک سابقہ حکومت پر ڈالی جا رہی ہے حالانکہ کرپشن کا تعلق صرف سابقہ حکومت سے ہی نہیں بلکہ اس سے پہلے کی حکومتوں سے بھی رہا ہے' پلاٹوں کی الاٹمنٹ' قواعد و ضوابط کو نظرانداز کر کے قرضوں کا اجرا اور معافی' سفارش کی بنیاد پر ملازمتوں کی بندر بانٹ گذشتہ کئی سالوں سے جاری ہے۔ اس لحاظ سے نہ صرف سابقہ حکومت بلکہ اس سے پہلے کی حکومتیں بھی اس ساری صورت حال کی ذمہ دار ہیں' جس نے ملک کو اقتصادی' سماجی اور سیاسی اعتبار سے دیوالیہ بنا دیا ہے۔ موجودہ نگران حکومت نے جس زور و شور سے احتساب کا نعرہ لگایا تھا' اس کا وجود کہیں نظر نہیں آتا اور صاف دکھائی دے رہا ہے کہ وہی سابقہ چہرے دوبارہ اقتدار میں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

آنے کی تیاری کر چکے ہیں۔ ان حالات میں صدر کی طرف سے سابقہ حکومت کی برطرفی اور اس کے خلاف بدعنوانیوں کے سنگین الزامات سب محض شور و غوغا ثابت ہوں گے اور عوام صرف اپنی محرومیوں کا ماتم کرنے کے لیے رہ جائیں گے۔ ان حالات میں انتخابات میں بھی خیر کا کوئی پہلو دکھائی نہیں دیتا۔ لہٰذا یہ کہنا ہرگز مبالغہ نہیں کہ احتساب کے بغیر انتخاب ایک ڈراما اور ایک تماشا ہوں گے اور نگران حکومت اس سارے ڈرامے اور تماشے کی ذمہ دار ہو گی"۔

روزنامہ "دی نیوز" اپنے ۲۲ دسمبر ۱۹۹۶ کے اداریے میں لکھتا ہے:

"پاکستانی عوام ۳ فروری کے انتخابات کے لیے بہت پرجوش تھے۔ وہ یہ سمجھ رہے تھے کہ شاید کرپشن' اقربا پروری اور دولت لوٹنے کا زمانہ گزر گیا ہے۔ تاہم گذشتہ چند دنوں کے واقعات نے عوام کی ان تمام توقعات پر پانی پھیر دیا ہے۔ آنے والے انتخابات کے امیدواروں کی فہرست دیکھ کر لوگوں کو یہ اندازہ ہو گیا ہے کہ ایک دفعہ پھر ان کے اوپر ایسی حکومت مسلط ہو جائے گی جسے وہ پسند نہیں کرتے۔

"نگران حکومت اور اس کی ساکھ پر اعتماد کو زبردست ٹھیس پہنچی ہے۔ بدعنوان سیاستدانوں کو نکال باہر کرنے کی کوشش ناکام ہو گئی ہے اور نئی اسمبلیوں کے لیے امیدوار کم و بیش وہی پرانے لوگ ہیں جنھیں عوام مسترد کر چکے ہیں۔ ان مسترد شدہ سیاست دانوں نے اپنی تجوریاں تو خوب بھریں مگر عوام کو بنیادی سہولیات بھی فراہم نہ کر سکے۔ بے روزگاری' غذا' ادویات اور ایسی ہی دوسری ضروریات کی قیمتوں میں بے تحاشہ اضافہ اور شہری سہولتوں کی عدم فراہمی ان سیاست دانوں کے دور اقتدار کی چند نمایاں خصوصیات ہیں۔ انھوں نے عام آدمی کے مسائل کے حل کے لیے کوئی کوشش نہیں کی۔

"سیاسی جماعتوں کو بھی ناکامی کی ذمہ داری قبول کرنا چاہیے اور ماضی سے سبق حاصل کرنا چاہیے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ہر حال میں جیتنے کی خواہش میں سیاسی جماعتیں جان بوجھ کر بدعنوان عناصر کو بھی انتخابات میں کھڑا کرتی ہیں"۔

"اگر سیاسی جماعتیں عوام کی نمایندہ بننا چاہتی ہیں تو اس کے لیے انھیں قوم کی نبض پر ہاتھ رکھنا ہو گا اور جاننا ہو گا کہ عوام کیا چاہتے ہیں۔ اگر انھوں نے ایسا نہ کیا تو عوام یہ سمجھنے میں حق بجانب ہوں گے کہ سیاسی جماعتیں اصلاح چاہتی ہی نہیں ہیں۔ اب وقت آگیا ہے کہ سیاسی جماعتیں عوام میں بے چینی اور عدم اطمینان کا سبب بننے والی اپنی ماضی کی پالیسیوں پر غور کریں"۔

روزنامہ "جنگ" اپنی ۲۲ دسمبر ۱۹۹۶ کی اشاعت کے اداریے میں اسی حقیقت کا اعتراف کرتا ہے:

"الیکشن ۹۷ سے کرپشن کے "انسداد' معاشرے میں بنیادی تبدیلیوں' اختیارات کے ناجائز استعمال کے خاتمے' ذاتی اور جماعتی مفادات پر قومی مفادات کی بالادستی کی امید رکھنے والے عوام کو قومی' سیاسی جماعتوں کی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

طرف سے امیدواروں کے ناموں کے اعلانات سے مایوسی ہوئی ہے۔ چند ایک کو چھوڑ کر ان میں زیادہ تر وہی لوگ ہیں جو ان تمام سابقہ اسمبلیوں کے رکن بھی رہے ہیں جو ایک طرف تو بدعنوانی' کرپشن' اختیارات کے ناجائز استعمال کے الزامات میں برطرف کی گئیں اور دوسری طرف عوام میں بھی ان کے بارے میں یہی تاثرات نقش ہوئے کہ انھوں نے ان کے مسائل حل کرنے کے لیے ٹھوس کوششیں نہیں کیں۔ مہنگائی ختم کروانے میں دلچسپی نہیں لی۔ بے روزگاری دور کرنے کے لیے کوئی منصوبہ بندی نہیں کی بلکہ نوکریاں فروخت کیں۔ لوگوں کے مختلف کام کروانے کے لیے پیسے وصول کیے۔ اپنے انتخابی حلقوں میں غربت دور کرنے' علاج معالجے' خواندگی بڑھانے اور لوگوں کی زندگی آسان بنانے کے لیے کوئی کوشش نہیں کی۔

"امیدواروں کے ناموں پر مشتمل فہرستیں پڑھ کر اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ قومی سیاسی جماعتوں کے سربراہوں کی پارلیمانی بورڈوں کی انگلیاں حالات کی نبض پر نہیں ہیں۔ انھوں نے عوام کی آنکھوں میں نہیں جھانکا۔ نہ اہل پاکستان کی پیشانیوں پر نقش تحریریں پڑھنے کی زحمت کی ہے۔ انھوں نے عوام کے موڈ کو جاننے کی کوشش ہی نہیں کی ہے۔ عوام محسوس کرتے ہیں کہ قومی سیاسی جماعتیں اپنی پالیسیوں میں موجود خامیاں تسلیم کرنے کو تیار ہی نہیں ہیں۔ وہ یہ ماننا ہی نہیں چاہتیں کہ انھوں نے کبھی کوئی غلطی کی ہے۔ اس لیے وہ اپنی ٹیم میں تبدیلیاں نہیں لانا چاہتے۔

"عوام کا خیال یہ ہے کہ قومی سیاسی جماعتیں کبھی خود تنقیدی سے جائزہ نہیں لیتیں کہ گذشتہ برسوں میں اگر ملک میں سیاسی' اقتصادی اور اخلاقی بحران رہا ہے تو ان کی اپنی پالیسیوں اور کارکردگی کا اس میں کتنا حصہ تھا۔ اگر ان کے پاس اچھی ٹیمیں ہوتیں' ان کے عہدیدار تدبر کے حامل ہوتے' اور ان کے وفاقی اور صوبائی وزرا سنجیدگی اور ذمہ داری سے ملکی مسائل حل کرنے کی بنیاد رکھتے تو آج ملک کی صورت حال مختلف ہوتی۔ پوری دنیا میں ہماری بدعنوانیوں' غیرذمہ داریوں' نااہلیوں کے چرچے ہیں۔ ملک کے اندر بھی ہر طرف یہی تذکرہ ہے۔ گذشتہ دس برسوں میں جو جماعتیں اور لوگ برسراقتدار رہے ہیں اور وہ جس بیورو کریسی کے ساتھ مل کر حکومت چلاتے رہے ہیں' ابتری' نااہلی اور کرپشن کے ذمہ دار بھی تو وہی ہوں گے اور وہ ارکان اسمبلی بھی ہوں گے جو ان برائیوں کے خلاف آواز بلند کرنے کی بجائے اس کلچر کا ایک حصہ بن کر رہ گئے"۔

اب خود "نوائے وقت" کے اداریتی کالموں سے' جو انتخاب اور مسلم لیگ دونوں کا سب سے بڑا موید ہے' چند اقتباس ملاحظہ ہوں: "مسلم لیگ کے ٹکٹوں کی تقسیم میں نامنصفانہ طرز عمل" کے عنوان سے اداریہ نویس رقم طراز ہے:

"ٹکٹوں کی تقسیم سے پہلے مسلم لیگ نے صحیح لوگوں کو ٹکٹ دینے کے جو بلند بانگ دعوے کیے تھے ان

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کے پیش نظر اس بات کا یقین تھا کہ اس بار مسلم لیگ کی قیادت سوچ سمجھ کر ایسے لوگوں کو ٹکٹ دے گی جن کا ماضی صاف اور ریکارڈ اچھا ہو گا اور لوٹے بازی کے ملزموں کو ٹکٹیں نہیں دی جائیں گی۔ لیکن یہاں یہ ہوا کہ جن لوگوں بلکہ لوٹوں نے اخباری اشتہارات کے ذریعے سجدہ سہو کر لیا اور ان کو کمال مہربانی کا مظاہرہ کرتے ہوئے معاف کر دیا گیا اور انھیں مزید لطف و کرم سے نوازتے ہوئے فراخ دلی سے ٹکٹیں بھی دے دی گئیں۔ اس صورت حال سے اتحادی جماعتیں سخت ناخوش ہوئیں اور ایک اتحادی جماعت کے سربراہ ساجد میر کو یہ کہنا پڑا کہ میاں صاحب کے پاس اے این پی کو دینے کے لیے سب کچھ ہے لیکن ہمارے لیے کچھ بھی نہیں ہے۔ جبکہ ٹکٹوں کی تقسیم میں جو طرز عمل اختیار کیا ہے اس سے معترضین اور متاثرین یہ پوچھنے میں واقعی حق بجانب ہیں کہ لیگ نے جو نئے امیدوار بنائے ہیں کس معیار پر بنائے ہیں، کئی لوٹوں کو ٹکٹ دے کر اپنے ان وعدوں اور دعووں کی نفی کی گئی ہے کہ لوٹوں کو کسی صورت ٹکٹ نہیں ملے گا جبکہ بعض نے حیرت کا اظہار کیا ہے کہ ایسے بھی ٹکٹ ہولڈر ہیں جن کا حلقے سے کوئی تعلق نہیں اور جن لوگوں کو ٹکٹوں کی تقسیم کے وقت نظرانداز کیا گیا ان میں سے اکثر تو جیتنے کی پوزیشن میں ہیں۔ میاں شہباز شریف نے پنجاب اسمبلی کے ارکان کے استعفوں کا اعلان کرتے ہوئے یہ اعلان کیا تھا کہ ۹۸ ارکان کو ٹکٹ جاری کیے جائیں گے مگر ان میں سے بعض مضبوط، دیانت دار اور مخلص ارکان کو ٹکٹ نہ دے کر وعدہ خلافی کی گئی جبکہ ٹکٹ حاصل کرنے والے بہت سے لوگوں کی کوئی خدمات نہیں ہیں، بہرحال یہ طرز عمل نواز شریف کے لیے نقصان دہ ثابت ہو گا۔ میاں صاحب کو اپنی مقبولیت کے بارے میں خوشامدی افراد کے تجزیوں کو قبول کرنے کے بجائے سیاسی بصیرت کا مظاہرہ کرنا چاہیے اور کھمبوں کے بجائے دیانت دار، مخلص اور انتخاب جیتنے کی اہلیت رکھنے والے افراد کو ترجیح دینی چاہیے"۔ (نوائے وقت، ۲۷ دسمبر ۱۹۹۶)

یہ تو ہے امیدواروں کا حال، اب ذرا ایک جھلک اس پروگرام اور ان وعدوں کی بھی دیکھ لیں جو مسلم لیگ کی قیادت نئے مینڈیٹ کے لیے قوم کے سامنے پیش کر رہی ہے۔ مسلم لیگ کے منشور کے بارے میں بھی "نوائے وقت" ہی کا اداریہ تبصرہ اصل حقیقت کی پردہ کشائی کے لیے کافی ہے:

"مسلم لیگ ایک نظریاتی سیاسی جماعت ہے اور عوام اسے پاکستان کی بانی نظریاتی سیاسی جماعت کی حیثیت سے آنکھوں پر بٹھاتے ہیں۔ منشور کے ابتدائیے میں اگرچہ پاکستان کی نظریاتی اساس کا تذکرہ موجود ہے اور یہ دعویٰ کیا گیا ہے کہ پاکستان مسلم لیگ اسلامی اقدار کو قومی زندگی کے ہر پہلو میں اجاگر کرنے کی بھرپور کوشش کرے گی، لیکن تعلیم، اطلاعات اور ثقافت کے علاوہ معیشت و اقتصادیات کے شعبوں میں اسلامی تعلیمات کے مطابق اصلاحات کا کوئی پیکج پورے منشور میں کہیں موجود نہیں، نہ ہی حکومتی اداروں کو اسلام کی انقلابی تعلیمات کے فروغ کے لیے اپنا فرض ادا کرنے کے لیے متحرک کرنے کی بات کی گئی ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نظریہ پاکستان کے فروغ اور قائدؒ واقبالؒ کے نظریات سے نوجوان نسل کو آگاہ کرنے کے لیے بھی کسی منصوبے اور کسی اقدام سے منشور کے صفحات خالی ہیں، حالانکہ ۱۹۹۷ قیام پاکستان کی گولڈن جوبلی کا سال ہے اور مسلم لیگ کو اس حوالے سے لازماً اپنا فرض اور کردار ادا کرنا چاہیے۔

"مسئلہ کشمیر اس وقت کشمیری عوام اور پاکستان کے لیے زندگی اور موت کا مسئلہ ہے۔ اور کشمیری عوام نے قربانیاں دے کر اسے عالمی سطح پر اجاگر کیا ہے، لیکن مسلم لیگ کے منشور میں اس کا ذکر ایک سطر میں اور وہ بھی ماضی کے حوالے سے کیا گیا ہے۔ کشمیری عوام کو حق خود ارادیت دلانے کے لیے مسلم لیگ کیا کرے گی، یہ بتانے کی ضرورت محسوس نہیں کی گئی، البتہ بھارت سے بہتر تعلقات کی خواہش ضرور کی گئی ہے۔ اسی طرح مسلم ممالک سے ماضی کی طرح تعلقات مزید خوشگوار اور مضبوط بنانے کے لیے کوئی گرم جوشی نظر نہیں آتی، البتہ امریکہ، یورپ اور جاپان سے تعلقات، مضبوط تر بنانے پر زیادہ زور دیا گیا ہے، حالانکہ ان ممالک کی طرح ہمارے دوست اور برادر مسلم ممالک بالخصوص سعودی عرب اور ایران بھی خصوصی توجہ کے مستحق ہیں، اور ترجیحاً چین نمبر ایک پر ہونا چاہیے۔ یہ خوش آیند بات ہے کہ مسلم لیگ نے افواج پاکستان کی دفاعی صلاحیتوں میں اضافے کو ہر چیز پر فوقیت دینے کا اعلان کیا ہے تاکہ پاکستان کی سلامتی کو مستحکم بنایا جا سکے، لیکن قومی سلامتی کے ایٹمی پروگرام کے بارے میں مسلم لیگ کا منشور معذرت خواہانہ لب و لہجہ لیے ہوئے ہے۔ روایتی پرامن مقاصد کے لیے ایٹمی پروگرام پر یقین اور ملک کی نیوکلیئر صلاحیت پر کسی یکطرفہ امتیازی پابندی کی مخالفت اور چیز ہے جبکہ قوم ملکی سلامتی اور دفاع کے لیے ایٹمی ڈیٹرنٹ برقرار رکھنے کی خواہش مند ہے اور میاں صاحب بطور قائد حزب اختلاف نیوکلیئر پروگرام میں پیش رفت کی باتیں کرتے رہے ہیں جو بڑھکوں کے زمرے میں آتی تھیں، مگر منشور میں اس کا تذکرہ نہیں ملتا۔ جبکہ بھارت میں آئے روز ایٹمی میزائلوں کے تجربات اور اس کی فوجی تیاریوں کے پیش نظر منشور میں بھرپور پروگرام شامل ہونا چاہیے تھا اور اس کی تلافی انھیں اب بھی کر دینی چاہیے۔ میاں صاحب کی انتخابی مہم میں بروتھا ڈیم کو قرار واقعی اہمیت دینے اور منشور میں کالا باغ ڈیم کی تعمیر کا مسئلہ شامل نہ کرنے سے صاف ظاہر ہے کہ اپنے بعض سیاسی حلیفوں کو خوش کرنے کے لیے اب اسے طاق نسیاں کی نذر کر دیا گیا ہے اور یہ کہہ کر اپنے موقف کا دفاع نہیں کیا جا سکتا کہ ہم نے ڈیموں کی تعمیر کا وعدہ کیا ہے۔ یہ مداہنت کی پالیسی ہے جو قائداعظمؒ کے نام لیواؤں کو ہرگز زیب نہیں دیتی۔"

"میاں صاحب نے اپنی پریس کانفرنس میں اگرچہ وزارت اطلاعات ختم کرنے کا اعلان کیا مگر پریس کی آزادی کے لیے منشور میں کوئی یقین دہانی نہیں کرائی گئی بلکہ میاں صاحب نے اس سلسلے میں کوئی زبانی وعدہ کرنا بھی مناسب نہیں سمجھا۔ چونکہ مسلم لیگ کے سابقہ دور حکومت میں پریس کے ساتھ مثالی سلوک نہیں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہوا بلکہ اسی دور حکومت میں ایک اخبار کے خلاف بغاوت کا مقدمہ درج ہوا اور اخبارات کو سابقہ ادوار کی طرح تنگ کرنے کی پالیسی اختیار کی گئی' اس لیے اب کم از کم مسلم لیگ کو اس حوالے سے واضح یقین دہانی کرانی چاہیے اور بتانا چاہیے کہ پریس نے اپنی پیہم جدوجہد سے جو آزادی حاصل کی ہے اس کے تحفظ کے لیے ان کی حکومت کیا سہولتیں فراہم کرے گی۔ الیکٹرانک میڈیا کو بھی آزادی ملے گی یا وہ بدستور حکومتی کنٹرول میں رہے گا۔ اشتہارات پر ریاستی تسلط کا خاتمہ ہو گا یا نہیں۔ نگران حکومت نے حق معلومات کا بل لانے کا جو وعدہ کیا ہے' مسلم لیگی حکومت اسے قانون کا درجہ دے گی یا نہیں؟ سابقہ ناخوشگوار تجربات کے پیش نظر پریس اب واضح اور دو ٹوک یقین دہانی چاہتا ہے تاکہ مسلم لیگ کے برسر اقتدار آنے کی صورت میں کم از کم وہ حکومت سے اپنے منشور پر عمل درآمد کا مطالبہ کر سکے۔ منشور میں مسئلہ کشمیر' ایٹمی پروگرام' خواتین کی نشستوں' آزادی صحت اور کالا باغ ڈیم کے حوالے سے جو کوتاہی برتی گئی ہے اس کے پیش نظر نقادوں کا یہ کہنا غلط نہیں ہو گا کہ امریکہ' اسٹیبلشمنٹ اور بعض اہم اتحادی جماعتوں کو خوش کرنے کی بھرپور کوشش کی گئی ہے اور یہ اقتدار میں آنے کا منشور ہے"۔ (اداریہ نوائے وقت' ۲ جنوری ۱۹۹۷)

یہ ہے حالات کا ایک بے لاگ جائزہ' صرف ہمارے ہی الفاظ میں نہیں بلکہ ان کے الفاظ میں بھی جنھیں تصویر بنا آتی ہے۔ ایسے حالات میں احتساب کے بغیر ۳ فروری کے انتخابات سے کسی بہتر نتیجے کی توقع وہی رکھ سکتا ہے جو حقائق کے مقابلے میں مفاد یا جانب داری کو اہمیت دیتا ہو یا فکری تضاد کا شکار ہو۔ یہی وجہ ہے کہ تحریک اسلامی نے ٹھنڈے دل کے ساتھ اور گہرے سوچ بچار کے بعد اپنے اصل ہدف یعنی ایک حقیقی اسلامی معاشرے کا قیام اور ایک دیانت دار قیادت کو ابھارنے کے لیے ایک واضح منصوبے کے تحت عوامی بیداری اور تحریک احتساب کا راستہ اختیار کیا ہے اور پوری متانت کے ساتھ ۳ فروری ۱۹۹۷ کے الیکشن کا بائیکاٹ کیا ہے:۔

دیر و حرم بھی منزل جاناں میں آئے تھے
یہ شکر ہے کہ بڑھ گئے دامن بچا کے ہم

اس بائیکاٹ کا تعلق صرف ۳ فروری کے الیکشن سے ہے اور اس لیے ہے کہ اگر اس طرح الیکشن کا تماشا ہوتا رہے اور الیکشن محض ایک ڈھونگ بن جائے تو عوام کا اعتماد الیکشن کے اداروں ہی پر ختم ہو جائے گا۔ اس لیے ضروری ہے کہ بیلٹ بکس کے تقدس کی حفاظت کے لیے ان عوامل کی کھلے طور پر نشاندہی کی جائے جن کے بغیر الیکشن نہ صرف یہ کہ بے معنی ہوں گے بلکہ جمہوریت کے ماتھے پر ایک بدنما داغ بن جائیں گے۔

تحریک اسلامی حقیقی جمہوریت کی علم بردار ہے اور وہ سیاست کو ان عناصر سے پاک کرنا چاہتی ہے جو

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

عوام کی بالادستی اور صاف ستھری جمہوریت کی راہ میں اصل رکاوٹ ہیں۔ ہمارا اصل ہدف اس نظام ظلم کو ختم کرنا اور ان ظالم عناصر کو کیفر کردار تک پہنچانا ہے جو جمہوریت کے قاتل، ملک کی دولت کے لوٹنے والے، اقتدار کو ذاتی اور گروہی مقاصد کے لیے استعمال کرنے والے اور قوم کی سیاسی اور معاشی آزادی کو عالمی ساہوکاروں اور سامراجی قوتوں کے ہاتھوں گروی رکھنے والے ہیں۔ تحریک اسلامی اس مقصد کے حصول کے لیے عوام کو بیدار کرنے، ان کو منظم کرنے اور ان کی منظم قوت کے ذریعے سیاسی تبدیلی کی جدوجہد کر رہی ہے، انتخاب اس کا ایک ذریعہ ہیں۔ اسی طرح احتجاج، دھرنا اور بائیکاٹ بھی اس کا ایک دستوری اور جمہوری ہتھیار ہیں۔ یہ تحریک خالص عوامی، جمہوری اور ہر قسم کے تشدد اور بدامنی سے پاک رہی ہے اور ان شاء اللہ رہے گی۔ اور اب یہی وہ راستہ رہ گیا ہے جس سے نظام کی تبدیلی اور نئی قیادت کے ابھرنے کا روشن امکان ہو۔ مومن کی فراست کا تقاضا ہے کہ وہ ایک سوراخ سے بار بار نہ ڈسا جائے۔ مفاد پرست قوتوں کا کھیل بہت واضح ہے۔ وقت کی ضرورت یہ ہے کہ مفاد پرستوں کے بچھائے ہوئے جال سے بچ کر قوم کو اس کے اصل نصب العین کی طرف پیش قدمی کے لیے منظم کیا جائے اور اس سلسلے میں کسی قربانی سے دریغ نہ کیا جائے۔ یہی آج پاکستان کو بچانے اور اسے اس کی منزل کی طرف گامزن کرنے کا راستہ ہے۔ آج اسلام اور پاکستان سے محبت کا تقاضا ہے کہ اس تحریک کو برپا کرنے اور اس تبدیلی کو حقیقت میں ڈھالنے کے لیے سر دھڑ کی بازی لگا دی جائے۔ اس لیے کہ :۔

یا مردہ ہے یا نزع کے عالم میں گرفتار
جو فلسفہ لکھا نہ گیا خون جگر سے

© rasailojaraid.com